لفظوں کے جہانوں کی دھما چوکڑی اور معنی بند شاعری

سعادت سعید

ABSTRACT:

The world of sounds which we face sometimes on the basis of concentration and sometimes casually is full of meaningful treasures. Besides it we all pass through several zones of silences. Sensitive poets take their subjects even out of these zones and because of their strangeness they often escape the consciousness of common readers. Iftikhar Jalib the pioneer of New Poetry Movement in Urdu was fond of entering into the zones of new unnoticed silences and noises. When he brought his new subjects in the realm his poetry common Urdu poetry readers faced problem of none communication. Qadeem Banjar is his long poem. In it he depicted his experiences in new formative modes of Urdu poetry. This poem needs thorough critical examination. The scribe of this article has tried to give a meaningful explanation of the method used by the poet in this poem.

انسان ہمہ وقت صوتیاتی کائنات میں رہنے کا عادی ہے۔وہ ایک دوسرے سے صوتیاتی اکائیوں سے بنے الفاظ اور قواعدی سانچوں میں گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔افہام وتفہیم کا یہ عمل ابلاغ پر منتج ہوتا ہے۔اس باہمی تعمل کا حدود اربعہ بہت محدود ہے۔مثلاً اس میں طبیعی یا سماجی علوم میں استعمال ہونے والے مائیکروز یا علامتی سلسلے شامل نہیں ہیں۔بس کام چلاؤ کاروباری معاملات ابلاغ کی بنیاد بنتے ہیں۔اس پر ساسیئر اور ڈریڈا نے فلسفیانہ سطحوں پر اپنے نتائج سے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔انہوں نے ابلاغ کی مظہریات کی آئینہ بندی کا کام یوں کیا ہے کہ قارئین دلیل، دلالت، مدلولات، تضمین، تضمن، تضمنات کے کام چلاؤ اشاراتی نظام کے ڈربوں میں غٹرغوں کرتے نظر آ رہے ہیں۔

آوازوں کے جس جہان سے ہم بیگانہ وار گزرتے ہیں وہ دیکھنے اور سننے کی چیز ہے۔مثلا کیا ہم نے کبھی خموشی کے اندر لہریں لیتے شور کو لفظوں میں منتقل کرنے کا کام کرنا چاہا ہے؟ کیا ہم نے کائنات کے تیز رفتار کروں کی آوازوں کو سننے کی کوشش کی ہے؟ کیا کبھی کسی شاعر نے اپنی خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوؤں کے شور کو لفظوں کی زبان میں بیان کرنے کا سوچا ہے؟ شعر شعور سے عبارت ہے اور شعور کا ابلاغی کاروباریت کے تابع رکھا گیا ہے ایسے میں وہ سب اصوات جن کا کاروباریت سے کوئی تعلق نہیں ہے شعور سے ماورا ہی رہیں گی۔اس میں کائناتی، عالمی، مقامی ژولیدگیوں کا شور شامل ہوتا ہے اس لیے اس کو کاروباری ابلاغی سلسلوں سے جوڑنے کا اہتمام نہیں ہوسکتا۔

افتخار جالب کی طویل نظم ''قدیم بنجر'' آٹھ طویل قطعوں پر مشتمل ہے(۱):

۱۔حیات اندر مدام رونق نژاد ۲۔ذرہ ذرہ محال کی بکھری پتیاں ۳۔سیری برم بلائے مبرم ۴۔ نفیس لا مرکزیت اظہار ۵۔ مصدریت شگفتن افشردن ۶۔ گفتگو کو پرونے والی کنواری آواز ۷۔لامختتم زمرد چمکتا اغلاق ۸۔خواہش کی جھلجھلاہٹ کا لا والا

ان میں شاعر نے بطور فرد اپنے نفسیاتی و سماجی کوائف کو شور ژولیدگی کے صوتی سلاسل میں پیش کیا ہے ۔انسان کو بطور انسان دیکھنے کا مطلب اس کے ماضی، حال اور مستقبل سے گہری نسبت کے بغیر ممکنہ طور پر سامنے نہیں آ سکتا۔افتخار جالب نے اپنے اردگرد کی کائنات کی مدامی رونق نژادی کے دائرے میں موجود شجر محالات کی ذرہ ذرہ بکھری پتیوں کو دیکھا ہے اور انسانی جدو جہد کو کامہائے نہنگ کے حلقوں کے روبرو پایا ہے۔زندگی کی ویل یا موبی ڈک انسان کو ہمہ وقت نگلنے کے لیے تیار ہے۔ایسے میں انسانی دماغ کے کبیر وصغیر حصوں میں خلل کا آ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔اس حوالے سے انفرادی پاگل پن سے لے کر عالمی طاقتوں کے پاگل پن کی شرح صدر ممکن ہے۔اس پاگل پن پر لسانی تشکیلات پر لکھے جانے والے اپنے مضامین میں افتخار جالب نے فلسفیانہ تحقیق سے کام لیتے ہوئے سرمایہ دارانہ معاشروں میں موجود مختلف النوع دیوانگیوں اور پاگل پنوں کی توضیح کی ہے۔تو یوں انہیں سیری برم بلائے مبرم کی صورت دکھائی دیتا ہے اور وہ اس نفیس لا مرکز اظہار کی معنوی حد بندی کرنے کا قصد کرتے ہیں تو انہیں زبان میں مصدریت کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے یعنی نئی صوتی و معنوی شگفتگیوں کو دیکھنا، سخت گرفت کرنا، بکھیرنا، بہانا اور اسی طرح کے لاتعداد متعلقات کو بیان کرنے کے لیے مثلاً خراب کرنا، مار پیٹ کرنا، محکم اور استوار کرنا وعلی ہذا القیاس ۔اس سے مراد یہ ہے کہ اردو شاعری میں کوائف نو بیان کرنے کے لیے نئی مصدریت کا ڈول ڈالنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر بہت کچھ ان کہا رہ سکتا ہے۔چنانچہ نئی نکور، کنواری آوازوں یا صوتیات کو سامنے لانے کے لیے مصدریت کے نئے سلسلے کو فروغ دینا لازمی ہے۔تاکہ لامختتم زمردیں اظہار میں چمکتے اغلاق سے نبرد آزمائی ممکن ہو۔اور یہ کہ یہ تمنائی سلسلے اپنے لا والا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔اس حوالے سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں جدلیاتی پیرائے کی اس طویل نظم پر سطراً سطراً کام کرنے کی ضرورت و گنجایش ہے۔

مذکورہ کوائف کی نشاندہی ''کلام لاشعرالاّ ژولیدہ شورفونیمز''(۲) کے یک لفظی کلمے (عربی، اردو، فارسی اور

انگریزی کے ملاپ سے تیار شدہ) سے بیان کیا گیا ہے۔اس امر کا لب لباب یہ ہے کہ ابلاغی سلاسل سے ماورا صوتیاتی کائنات کو کن صوتیوں میں بیان کیا جائے۔اس مقام پر شاعری لاشعر کی وادیوں کا مستانہ سفر طے کرتی ہے اور قدیم بنجر کو اپنے بطن میں سمیٹے جدید زرخیز میں آ داخل ہوتی ہے ۔وہ جدید زرخیز جس کی صوتیات کے ڈانڈے عالمی السنہ، عالمی موسیقیوں، عالمی خموشیوں، عالمی سناٹوں، عالمی شوروں مختصر یہ کہ عالمی عوالموں سے نمودار ہوتی صوتیات سے ملے ہوئے ہیں۔اس عمل کی بدایت پر مارلو پاؤنٹی نے آندرے مارلو کی ''وائسز آف سائیلینس'' (۳) کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے اور اس کے حالات نہایت کی خبر لانے والا ابھی منصۂ شہود پر نہیں آیا۔آندرے مارلو کے ہاں جن خموشیوں کو لفظوں میں منتقل کیا گیا ہے وہ اس کی خالص انفرادیت اور خالص داخلیت کو منعکس کرتے ہیں۔

ایک نئے ملک کے قیام سے کیا پرانے اشترا کی ثقافتی معانی جہنم واصل ہو جاتے ہیں؟ قرار داد مقاصد کا لب لباب یہی ہے کہ بندے اپنے قدیم پنج ہزار سالہ بنجر اور جدید تیرہ سو سالہ زرخیز کو بھول جا اور ابتدا کر وسط اگست ۱۹۴۷ء کی کھینچی تقسیمی لکیر کی اپنی جانب سے کہ خیر سے اب ہماری ثقافت کا منبع ومخرج یہی ہے۔پر بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر کے مصداق علمی کرینوں کے ذریعے سے اس پار کے علوم وفنون کے خزینوں اس پار لانے کی مساعی ہمارا مقدر رہی ہے۔تو کیا ہم اس پار والے اس پار والی ثقافت کے بغیر خلا میں زندگی گزاریں؟ نہیں اس خلا کو پر کرنے کے لیے مشترکہ ہندوستان میں پیدا ہونے والے علوم وفنون کو اپنے علوم وفنون کا نام دینا پڑتا ہے حالانکہ اس کے حقیقی وارث تو اب بھی ہم سے تعداد میں زیادہ وہیں زندگی بسر کر رہے ہیں اور پھر ۱۹۷۱ء میں پنے ہی مسلم بھائی بندوں نے ہمیں آئینہ دکھا دیا کہ ہم ثقافتی طور پر علحدہ اکائی ہیں یوں ہم مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں بدلتا دیکھ کر درو دیوار پر حسرت کی نگہ کرتے مغربی پاکستان کے کنج عافیت میں سمٹ آئے۔اسلام اور اردو کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا ایک ہی مطلب تھا کہ ہم اہل پاکستان ہندوستان کی مسلم تہذیب اور اردولسانی ثقافت سے جدا نہ ہو سکتے تھے۔لیکن ٹھہریئے پاکستان چار بنیادی صوبوں پر مشتمل ایک وفاق کا نام ہے اس میں پنجابی، سندھی ، پشتو اور بلوچی اکائیاں ہیں جن میں سے ہر کا دعوی ہے کہ ان کا علحدہ ثقافتی تشخص ہے۔تو پھر دکن ، دہلی، لکھنو، کلکتہ، علی گڑھ کی ثقافت سے انہیں کیا سروکار۔ایک گہرے ثقافتی خلا کو ہم نے متعدد آمریتوں کے سنہرے فرمانوں سے پر کرنے کا جتن کیا تو نتیجہ یہ ہے عوام بھیڑ بکریوں کی طرح ممیاتے پھر رہے ہیں اور حکمران انہیں اپنی متعین کردہ معنویتوں کی لاٹھیوں سے ہانکتے چلے جا رہے ہیں۔پاکستان کو اگر مشترکہ ہندوستان کی ثقافت سے کوئی رابطہ رکھنا ہے تو اس کے خطرناک معانی سے آشنائی بھی حاصل کرنی ہے۔

ہم جس سماج میں رہ رہے ہیں اس کے اوراق پر جس متن اور نیریٹو کے نقوش ابھرتے ہیں ان کے متضاد عامتہ الناس کی تمناؤں سے معمور متن اور نیریٹو بھی کہیں موجود ہیں۔البتہ ان کو زبان دینے کا اہتمام کم کم ہی ہوا ہے۔اکا دکا شاعروں نے ظاہری متن کو اپنے باطن کی اوٹ سے دزدانہ دیکھنے کا اہتمام بھی کیا ہے ۔انہوں نے اپنی ذاتوں کی محرابوں کے اندر سے انسانوں کی سوتی جاگتی قسمتوں کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے خوابوں کی ترجمانی یاسیت اور

لمیت کے پیرایوں میں کی ہے اور ایسے خواب دیکھنے کی دانستہ کوششیں کی ہیں جن کی تعبیر عہد نو کی بھول بھلیوں میں کہیں گم ہے۔ان کے سامنے وہ متن ہیں کہ جو تقدیر پرستی اور قوت سرائی سے لکھے گئے ہیں۔یہ متن الہامی تو نہیں ہیں لیکن ان کی تقدیس کو دنیاوی قوانین کے وسیلے سے معتبر بنایا گیا ہے۔یعنی معصوم انسانیت کے سارے مقاتلے مقفنہ اور عدلیہ کی راہ سے ہو کر گزرتے ہیں۔طاقت کی زبان جنگل کے قانون کی زبان ہے جس میں طاقتور کی حاکمیت کا دور دورہ ہے۔ یہ سب فیصلے اور معیار لفظوں کے جہانوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔طاقت کے اپنے متون اور نیریٹوز ہیں اور کمزوروں کے اپنے۔ بقول افتخار جالب:

''جانِ جہاں لفظوں کے جہانوں میں دھما چوکڑی ہے: کچھ ہی کہو: جان چلی جاتی ہے'' (۴)

شاعری کہ جو شعور سے عبارت ہے جب کسی رات کو درد کے شجر میں ڈھالتی ہے تو اس میں لاکھوں مشعل بکف ستاروں کے کھونے کے المیے سامنے آتے ہیں۔ان المیوں کو جب تعمیمی کی بجائے تخصیصی روشنی میں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو جانیں جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ایسے میں شاعری میں مروجہ معنوی متون کی تبصراتی کیفیتیں اپنے معانی کھو دیتی ہیں اور شاعر لاشعر کے متون کے روبرو آ جاتا ہے۔ان متون میں یدھ، محاربہ، مقابلہ، کشمکش، تنازع، جنگ، دشمنی، کشاکش کے کوائف بار پا لیتے ہیں۔

> ''لاشعر کیا ہے؟ ایک بہت ہی مشکل تعریف تو یہ کہ جو شعر نہ ہو' غیر شعر نہ ہو' نثر نہ ہو وہ لاشعر ہے! ابتداً ہی یہ فرض کر لینا پڑے گا کہ ہر قاری موزونیت اور اجمال کے ساتھ ساتھ لفظ اور ابہام کے پہچان کی قرار واقعی تربیت رکھتا ہے۔یکساں معیار کی قدرت ایک اور مشکل پیدا کرتی ہے جو' بہر طور' بہت جوکھم کام کام ہے۔اب حتمی فارمیولیشن کو نگاہ میں رکھیے: '' شاعری کی معروضی پہچان ممکن ہے اور یہی پہچان اچھی شاعری اور خراب شاعری (یا کم شاعری اور زیادہ شاعری)' نثر اور شعر اور غیر شعر' تخلیقی نثر اور شعر' بامعنی اور مہمل میں بھی فرق کرنے میں ہمارے کام آ سکتی ہے۔صاحبانِ ذوق و جدان کچھ بھی کہیں' لیکن جس تحریر میں موزونیت اور اجمال کے ساتھ ساتھ جدلیاتی لفظ اور یا ابہام ہوگا' وہی شاعری ہوگی۔موزونیت اور اجمال منفی لیکن مستقل خواص ہیں۔یعنی ان کا نہ ہونا شاعری اس وقت بن سکتی ہے جب اُس میں موزونیت اور اجمال کے ساتھ ساتھ جدلیاتی لفظ ہو' یا ابہام ہو' یا دونوں ہوں۔''(۶)

افتخار جالب کی نظم ''قدیم بنجر'' جدید زرخیز کی زد میں آئے لفظوں کے جہانوں کی دھما چوکڑی کو منعکس کرتی ہے اور معنی بند شاعری کے طلسم کو توڑنے کی مدعی ہے۔افتخار جالب کا کہنا ہے:

> ''شعری مجموعے ''شام کی دہلیز'' کے مصنف سلیم الرحمٰن نے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لیے جنوری ۱۹۶۱ء میں انگلستان میں جانے کا ارادہ باندھا۔اُنھیں رخصت کے لیے میں نے ایک الوداعیہ ترتیب دیا جس میں سید سجاد' انیس ناگی' عبدالحق کھامی اور صدیقی سلیمی نے شرکت کی۔کھانے کے بعد میں نے سلیم الرحمٰن کو کلیات میر کی ضخیم جلد ہدیہ کی۔''قدیم بنجر'' کا پہلا قطعہ' جو اُنھیں

دنوں لکھا گیا تھا' دوستوں کی نذر کیا' اُس دن کے بعد سے کلیات میر اور سلیم الرحمٰن سے ہمارا قرآن السعدین نہیں ہوا۔(۷)

یوں ہی ایک مرتبہ کراچی کے کافی ہاؤس کے سامنے مظفر علی سید سے ملاقات ہوگئی۔انھوں نے ازراہِ شفقت عباس اطہر' نذیر ناجی اور مجھے ماری پورا ایئر بیس پر مدعوکر لیا۔ بعد از طعام سلسلہ کلام شروع ہوا۔عباس اطہر اور نذیر ناجی اپنی اپنی نظمیں سُنا کر شتابی سے فارغ ہو لیے۔ میں ''قدیم بنجر'' میں اُلجھ کر رہ گیا۔کوئی سطر ٹھیک طرح سے سنائی نہیں جارہی تھی۔ جو پڑھ پا رہا تھا وہ ''قدیم بنجر'' کی بنیادی نیر یٹوکیٹگری یعنی'' کلام لاشعرالاّ ژولیدہ شورفونیم ز'' کے زمرے سے نکلتا جا رہا تھا۔انتہائی ہزیمت اورخجالت کے عالم میں آخرِکار میں نے کہا'' ''شاہ جی' قدیم بنجر' کا اسلوبِ قرات مجھ سے کسی طور طے نہیں ہو پاتا۔شاید پولی فو نک تلازمک گروپ ریڈنگ سے یہ مسئلہ طے پائے۔'' شاہ جی نے آدھا سگریٹ ایک کش میں تمام کرتے ہوئے کہا ''ہوں' لیکن یہ پولی فونک سے چپکا ہوا تلازمک کیٹا کلازمک .....''مدتوں بعد پتا چلا کہ یہ کوئی ذاتی مشکل نہیں تھی کہ جس کا مداوا نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے پس منظر میں جو الجھا ہوا موجود ہے' اس کی گرہ کشائی کے لیے لیٹرل خواندگی' صوتی انسلاکات' لسانی فینٹا زمگوریا اور ہر دم تغیر پذیر فنگی ٹیکسٹ ایسے تصورات سے آگاہی ضروری ہے۔''(۸)

ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں:

''جس طرح کے ٹکڑے کو لے کر جاتھن کلر نے تفسیر وتشریح کے تانے بانے بُنے ہیں' کچھ اسی طرح سے ''قدیم بنجر'' کا کوئی قطعہ لے کر اُس کے صوتی ومعنی انسلاکات سے ایک فضا تسخیر کی جاسکتی ہے۔ چوں کہ میں اخفا کو زبان کے اساسی وظائف میں شمار کرتا ہوں' اس لیے کسی معنوی سٹلائن ترسیل کا تقاضا ممکن ہی نہیں۔کوئی بھی اپروکسیمیشن چل جانی چاہیے۔ پھر یوں بھی ہے کہ برطانوی سامراجی بندوبست دوامی دیہ کے تہذیبی بنجر قدیم سے صرف نظر نہیں کر سکا۔بنجر قدیم ذات پات اور طبقاتی تفریق کے باوجود سبھی کی مشترکہ ملکیت ہے : انسانی ہے' پراچین ہے' ازلی وابدی ہے فنے گنز ویک کے مقابلے پر یہاں ایک بہت بلند آہنگ عروضی روح ہے جو اسے ایک وحدت دیتا ہے' جو روایتی بلاغت کے اسالیب سے بے نیاز ہے۔اس کا ٹیکسٹ اپنے جوہر میں غیر متعین' سیال اور ہر دم تغیر پذیر ہے' اس لیے اس کو پڑھنے میں ''قدیم بنجر'' کے آگے پیچھے سے کوئی سطر'یا گرافیٹی' یا اخبار یا کسی اور مربوط ٹیکسٹ کو غیر مربوط کرکے بھان متی کا کنبا جوڑا جا سکتا ہے۔ بنیادی منطق اور استعارہ تو کاٹھ کباڑ اور جنک ہے۔اپنے رفیق جو کہتے ہیں' ٹھیک ہی کہتے ہیں' کیا کیا جائے؟''(۹)

''قدیم بنجر'' کو پڑھنے کے لیے قاری کو معنوی تسلسل اور تواتر کے منطقی سلسلوں سے باہر آ کر شاعر کے ٹکڑوں میں بٹے ادراک کو امیجز کی جستا جستی اور خیال کی سانپ سیڑھی سے اوپر نیچے آتے شعور کی وسعتوں میں جانا ہوتا ہے۔اس لیے قطعوں میں بٹی اس پوری نظم کو ایک سانس میں پڑھنا یعنی اخباری کالم کی صورت پڑھنا کار بیکار

ہے۔اس کا مطالعہ امیجز کی ایک دوسرے میں مدغم ہوتی مجموعی کیفیتوں کے حوالے سے ممکن ہے اور اس کے لیے لفظ بہ لفظ معنی کی تلاش والی غزلیہ منطق کام میں نہیں آتی۔

قدیم بنجر سیہ ذروں میں بٹ گیا ہے۔۔۔۔

منافقت رمز آشنائی کا خس بہا چہرہ احیا نہیں ہے، جلا وطن موت کا نمونہ ہے
انتڑی غلاظت سمیت ظاہر کے روبرو آ چکی ہے(۱۰)

حکائتیں موسموں کی بارش سے نا تمامی سے ڈر رہی ہیں

غلیظ کہنہ حروف ابجد سے لفظ ترتیب پا سکیں گے؟
میں نام لکھوں گا

ناشنیدہ کی دھول میں گم گشتہ صدموں کی دلکشی نا چتی ہے(۱۱)

زمیں نشانات کا مرقع ہے؛ بارہا خیمہ زن گنہ گرد باد؛ پتھر کے چہرے؛
میری جبیں ابھی سے چمک اٹھی ہے۔

گواہ رہنا، ہم اپنی مجبوریوں کی تحسین نا شناسا سے منفعل، خوب
ناخوب کی حدیں باندھتے رہے ہیں (۱۲)

نقیب گویائی حرف زن بالا رادہ سبقت کہ شرف ذو معنی آرتھو پیڈک
اتحاد و انضمام بے ڈھب بجز کراہت عدم تشدد کہ دانت کھانے کے اور
ہوتے ہیں؛

اپنے سرد جذبے جبلتیں جہد للبقا سخت گیر تکرار ہو رہی ہے؛ مگر مقاصد
میں زخم تشویش کسمساتا ہے (۱۳)

ارے بشارت ارادے ہمت سے کر گزر
تمنائیں خوف و دہشت کا راستہ ڈھونڈتی ہیں (۱۴)

بوجھل احساس نطق الفاظ پھٹتے جاتے ہیں
ذرہ ذرہ گھٹا برستی ہے، اپنا گھونگھٹ اتھا، گزر
گھومتی ندی میں تڑپ رہا ہوں (۱۵)

خجل خجستہ خیال تخریب کی تمازت: دہک رہے ہیں
جہاں کے اوقات جستہ جستہ جمود آغوش میں سمٹتے ہیں
جشن باقی نہیں؛ ولادت عزاب؛ شیون گھٹائیں اٹھتی ہیں (۱۶)

عامتہ الناس خاک وخوں کے مجاہدے سے گزر چکے ہیں

ابھی سیاہی کے دام چکتے ہیں
بیچ لو بدنہادو، جو کچھ بھی بیچ سکتے ہو بیچ لو (۱۷)

افتخار جالب نے تقسیم ہندوستان سے لے کر پاکستان میں قائم ہونے والی سرمایہ داری کو تحفظ دیتی آمریتوں کے ادوار میں بلکتی آبادیوں کی ناشنیدہ آوازوں کو اپنی نظموں میں بخوبی سمیٹا ہے۔ قدیم بنجر نظام زر کے تحت پیدا ہونے والے انسانی رویوں اور عادتوں کا احاطہ کرنے والی ایسی طویل نظم ہے جس میں عہد کی بے معنویت کو کہیں بے معنی اور کہیں بامعنی انداز سے گرفت میں لیا گیا ہے۔

حواشی و حوالے:

(۱) افتخار جالب کی کتاب لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، فرہنگ، میر پور خاص سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ اس میں افتخار جالب کے چند تنقیدی مضامین کے ساتھ ان کی نظم قدیم بنجر بھی چھپی۔ کے اس کے آٹھ قطعات ہیں۔

(۲) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۴

(۳) دیکھیے:

Merleau-Ponty, ***Maurice, Signs***, Northwestern University Press

Merleau-Ponty, Maurice, 1964.p 39- 83

(۴) یہ لائنیں افتخار جالب کی نظم ''محرابوں کے اندر'' سے لی گئیں ہیں، یہ نظم ان کے مجموعے یہی ہے میرا لحن میں موجود ہے

(۵) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص

(۶) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص ۱۲۲

(۷) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۴

(۸) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۴

(۹) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، میر پور: فرہنگ، میر پور خاص ۲۰۰۱ء، ص ۱۲۱

(۱۰) افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، نظم حیات اندر مدام رونق نژاد، ص ۱۶۵

(۱۱) ایضاً، ذرہ ذرہ محال کی بکھری پتیاں، ص ۱۷۱

(۱۲) ایضاً، سیری برم بلائے مبرم، ص ۱۷۹

(۱۳) ایضاً، نفیس لامرکزیت اظہار، ص ۱۸۴

(۱۴) ایضاً، مصدریت شگفتن افشردن، ص ۱۹۱

(۱۵) ایضاً، گفتگو کو پرونے والی کنواری آواز، ص ۱۹۷

(۱۶) ایضاً، لامختتم زمرد چمکتا اغلاق، ص ۲۰۲

(۱۷) ایضاً، خواہش کی جھلجھلاہٹ کا لاوالا، ص ۲۰۶